برگمان نے زور دے کر کہا کہ "کیتھولک خاندانوں کو پہلے کی طرح مضبوط ہونا چاہیے۔ بچوں کی تربیت و تشکیل کے لیے خاندان ہی بنیاد فراہم کرتے ہیں اور خاندان چرچ کی بنیاد بھی ہیں۔" نوجوانوں کو مضبوط ایمان وایقان کی زندگی گزارنا چاہیے۔ ---- ("دی کرچن وائس" کراچی۔ ۸ فروری ۱۹۹۸ء)

بوسنیا: مسیحیوں میں اسلام کے بارے میں غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں۔

پولینڈ کے ایک کیتھولک جریدے نے سرایبوو یونیورسٹی کے کلیہ اصول الدین کے استاد جناب عدنان سلا جق کا ایک انٹرویو شائع کیا ہے جس میں جناب سلا جق نے بوسنیا کے مسلمانوں کی صورت حال' مسیحیوں کے ساتھ ان کے روابط اور اسلام کے بارے میں اپنے تصورات پر روشنی ڈالی ہے۔ جناب سلا جق کیتھولک اکیڈمی (زغرب) میں "مذہبی تاریخ" کے استاد رہ چکے ہیں۔ ان کا انٹرویو آج کے بوسنیا کا شاید ہر لحاظ سے نمائندہ نہیں' تاہم ایک "فکری لہر" کی حیثیت ضرور رکھتا ہے۔

جناب سلا جق نے واضح کیا ہے کہ بوسنیا کی جنگ (۹۵-۱۹۹۲ء) میں مسلمانوں کے خلاف مظالم میں ان غلط فہمیوں کا بڑا حصہ ہے جو مسیحیوں کے ذہن میں اسلام کے بارے میں موجود ہیں۔ جناب سلا جق نے مزید کہا کہ بوسنیا کی حالیہ تباہی اور بربادی کا بڑا سبب یہ ہے کہ ملک کے مختلف مذاہب اور ثقافتوں کے درمیان کوئی "فعال مکالمہ" موجود نہیں رہا۔ اگرچہ ان مذہبوں اور ثقافتوں کے حامل لوگ مغربیت اور کمیونزم کے سائے تلے بظاہر اکٹھے رہتے رہے ہیں۔

جناب سلا جق نے واضح کیا ہے کہ ویٹی کن کونسل نے اسلام کے بارے میں مسیحیوں کے روایتی تصور کو مسترد کردیا ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ "جھوٹے' دغاباز اور مسیح مخالف" شخص کے بجائے خدائی پیغام کے حامل معلم سے تعبیر کیا ہے۔ اس وضاحت کے باوجود اسلام کے بارے میں مسیحیوں کی غلط فہمیوں نے بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف ہونے والی سفا کی میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ جناب سلا جق نے مثال کے طور پر بتایا کہ "جہاد" کے اسلامی تصور کو غلط طور پر اس طرح پیش کیا جاتا ہے جیسے "جہاد" دوسروں پر زبردستی اسلام تھوپنے اور غیر مسلموں کو قتل کرنے کا نام ہے' حالانکہ قرآن میں جہاد "روحانی' جذباتی اور ذہنی سطح پر دنیا

کے ساتھ معاملہ کرنے" کا نام ہے اور "برائی کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے" اور "مقتدر قوتوں کے روبرو سچ کہنے" سے عبارت ہے۔ جناب سلاجق کے بقول "ہمیں مغرب میں جہاد کے لیے موردالزام ٹھہرایا جاتا ہے' لیکن اگر ہم جہاد کا لفظ درست معنوں میں استعمال کرتے ہوں تو مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ ہماری اصل بدقسمتی یہ ہے کہ ہم جہاد نہیں کرسکے۔"

اسلام کے بارے میں عدم واقفیت اور مسیحیوں کے ذہنوں میں "مسلمانوں کے مسخ شدہ امیج" کی جڑیں مسیحیوں کی تاریخ میں پیوست ہیں۔ ایک دوسرے کے مذہب کی تاریخ اور بنیادوں کو جانے بغیر کوئی مکالمہ ممکن نہیں۔ جناب سلاجق کے خیال میں بین المذاہب مکالمے کے ثقافتی مقاصد ہونے چاہئیں' یہ محض مابعد الطبیعیاتی دینی معاملہ نہیں' جیسا کہ مغرب میں خیال کیا جارہا ہے۔

جناب سلاجق نے بوسنیا میں اسلام کے بارے میں کہا کہ اس وقت یہ دین جدیدیت اور روایت کے چوراہے پر کھڑا ہے۔ "بوسنیا کے مسلمان ان دینی رجحانات کے ساتھ وابستہ ہیں جو دنیا بھر میں پائے جاتے ہیں' لیکن کیتھولک مسیحیوں کے برعکس' وہ اپنے علماء اور ماہرین الٰہیات تیار کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ بوسنیا کے مسلمانوں کو اسلام اس طرح پیش کرنا ہے کہ ان کی شناخت مسلمانوں کی ہو' لیکن ان کے مخصوص ثقافتی اور مذہبی ادارے بھی محفوظ رہیں۔" "اسلام کو سیکولرزم کے اندر مذہبیت" تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔

"مغربی دنیا کے مثبت کارناموں سے مسلمانوں کی روایات کو کوئی خطرہ نہیں' بشرطیکہ دنیا کے بارے میں اسلام کا ایک نیا تصور مان لیا جائے جس کے تحت مغربی کارنامے مذہبی تجربے میں سموئے جاسکتے ہیں۔ اس طرح کسی خمینی کو مذہبی معاشرے کے اپنے تصور سے مغرب کو چونکا دینے کی ضرورت ہوگی' اور نہ مغرب کے لیے لازم ہوگا کہ روایات و شعائر کے حامل مسلمانوں کو چونکائے۔" جناب سلاجق نے کہا کہ بوسنیا میں ایسے "اعلیٰ تعلیم یافتہ اور بہتر صلاحیتوں کے مالک علماء" کی کمی ہے جو اس امر کا جائزہ لے سکیں کہ اسلام' مغرب کو واقعی کیا کچھ دینے کی پوزیشن میں ہے۔

جب جناب سلاجق سے اس پس منظر میں مسیحیوں کے ساتھ روابط کے بارے میں سوال کیا گیا کہ جنگ سے بری طرح تباہ شدہ سرایبوو یونیورسٹی مسلمانوں' مسیحیوں اور یہودیوں کی ایک مشترک فیکلٹی قائم کرنا چاہتی ہے تو انہوں نے جواب میں بتایا کہ اس وقت ملک میں کوئی ایسا ادارہ نہیں جو بین المذاہب مکالمے میں شامل ہو' تاہم کیتھولک مسیحیوں کے ساتھ مسلمان اہل

علم کے روابط موجود ہیں' اور امید ہے کہ سربیا کے آرتھوڈوکس چرچ میں بھی ڈیٹن سمجھوتے کے ہم نوا موجود ہیں۔

جناب سلاجق نے مزید کہا کہ "میرا خیال ہے کہ اس ملک کے مستقبل پر مسلم - مسیحی مکالمے کے فیصلہ کن اثرات ہوں گے اور امید ہے کہ بوسنیا ایک جمہوری ملک بنے گا۔ مکالمہ لوگوں کے ذہنوں میں موجود تصورات و خطرات سے بحث کرے گا اور ایک ایسی وسیع تر شناخت قائم کرنے کے لیے کوشاں ہوگا جس میں سب ہی شامل ہوں۔" (ماخوذ - "دی کرسچن وائس" کراچی - ۱۵ فروری ۱۹۹۸ء)

پاکستان: خانہ و مردم شماری - ۱۹۹۸ء اور مسیحی برادری

وطن عزیز پاکستان میں پہلی مردم شماری ۱۹۵۱ء میں ہوئی تھی۔ اس کے بعد ۱۹۶۱ء' ۱۹۷۲ء اور ۱۹۸۱ء میں مردم شماری اور خانہ شماری کی گئی۔ ۱۹۷۱ء کی مردم شماری پاک - بھارت جنگ کے باعث بروقت نہ ہوسکی اور ایک سال دیر سے ہوئی۔ پانچویں مردم شماری ۲۲ دسمبر ۱۹۹۰ء تا مارچ ۱۹۹۱ء کے درمیان مکمل ہونا تھی' مگر سندھ میں خانہ شماری کے اولین مرحلے میں غلط اعداد و شمار سامنے آئے اور خانہ و مردم شماری کا پورا عمل روک دیا گیا اور پھر قومی اہمیت کا حامل یہ کام ملتوی ہوتا چلا گیا۔

مسیحی اقلیت نے مردم شماری کے مسئلے کو پوری اہمیت دی ہے۔ ۱۹۸۸ء اور اس کے بعد ہونے والے قومی انتخابات میں مسیحی امیدواروں نے اپنے منشوروں میں جہاں اپنی برادری کی فلاح و بہبود کے لیے جدوجہد کے عزم کا اظہار کیا تھا' وہیں یہ بات بھی لکھی تھی کہ وہ مسیحی آبادی کے درست اعداد و شمار کے لیے جدوجہد کریں گے۔ ایک مسیحی مضمون نگار نے آغاز کار ہی میں واضح کردیا تھا کہ

> ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق مغربی پاکستان میں مسیحیوں کا تناسب کل آبادی کا ۱.۴ فیصد تھا۔ پاکستان کی کل آبادی میں ۱۹۵۱ء سے اب تک ۳ گنا سے زیادہ اضافہ ہو چکا ہے۔ اگر اس تناسب سے مسیحیوں کی آبادی میں اضافہ تصور کیا جائے تو موجودہ سرکاری اعداد و شمار پر قطعی بھروسہ ممکن نہیں۔("کاتھولک نقیب"- یکم جنوری ۱۹۹۱ء' ص ۸)